جناب شبیر احمد خاں غوری

میر سید شریف جرجانی رح

میر سید شریف کی شخصیت عربی مدارس کے مدرسین اور طلبہ سبھی کے لیے ایک جانی پہچانی حقیقت ہے مبتدی عربی زبان کی ابتدا "صرف میر" اور "نحو میر" ہی سے کرتا ہے اور "متوسطات" پر پہنچنے سے قبل "کافیہ" کے حل میں اُن کی شرح سے مدد لیتا ہے۔ جب "متوسطات" پر پہنچتا ہے تو "شرح جامی" کے علاوہ "قطبی مع المیر" کو نصاب کا اہم ترین جزو پاتا ہے۔ پھر آج کل تو نہیں، مگر بیس پچیس سال پہلے تک جب منتہی طلبا منطقیات کی تکمیل کے لیے "شرح المطالع" پڑھا کرتے تھے تو اساتذہ سبق کی تیاری کے لیے اور طلبہ مطالعہ کے لیے اس کتاب پر میر سید شریف ہی کے حاشیہ پر اعتماد کیا کرتے تھے۔

اور افاضل روزگار بھی پیچیدہ اور متنازع فیہ بحث میں انھیں کی "شرح مواقف" کو حکم بنایا کرتے ہیں۔ یوں بھی علوم عقلیہ کی تاریخ میں میر سید شریف کا ایک ممتاز مقام ہے۔ لہٰذا پہلے ان کی جلالت قدر کا اسی حیثیت سے جائزہ لیا جا رہا ہے۔

(۱) علوم عقلیہ کی تاریخ میں میر سید شریف کا مقام

ابن خلدون نے لکھا ہے کہ اسلامی فکر کی تاریخ میں فلسفہ اور کلام کے جو دھارے عرصہ سے الگ الگ بہتے چلے آرہے تھے، ان کا اتصال پہلی مرتبہ قاضی ناصر الدین بیضاوی رح کے یہاں ہوا۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ واضح طور پر یہ سنگم میر سید شریف رح کی ذات میں ہوا اور بعد میں فلسفہ و کلام کا یہ گنگا جمنی آمیزہ "معقولات" کے نام سے ہندوستان اور ایران کے مدارس میں وہاں کے تلامذہ کی سعی و کاوش سے رواج پذیر ہوا۔

(الف) علوم عقلیہ میں میر سید شریف کے پیش رو:

۱۔ کلام: عقلی دلائل کے ذریعہ اسلامی معتقدات کے اثبات اور ان پر جو شبہات وارد کیے جاتے ہیں اُن کی مدافعت کا نام علم کلام ہے۔

کلامی سرگرمیوں کا آغاز معتزلی حلقۂ فکر میں ہوا، جس کے سربراہ اول حسب تصریح ابن رستہ محمد بن حنفیہ رح

تھے۔[۱۹] ابن حنفیہؒ کے بعد اس کی سربراہی ان کے صاحبزادے ابو ہاشم عبد اللہ کے حصہ میں آئی۔ ابو ہاشم سے واصل بن عطا الغزالی نے اسے اخذ کیا۔[۲۰] واصل کی بدعت طرازی کا محدثین اور دیگر علمائے اہل السنت و الجماعت نے بڑی تیغ نوائی سے شکوہ کیا ہے۔[۲۱] بایں ہمہ اس کی عظمت فکر سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ جاحظ اس کے بارے میں کہا کرتا تھا :

قال ابو عثمان (الجاحظ) رحمه الله لم يعرف في الاسلام كتاب كتب على اصناف الملحدين . . . . قبل كتب واصل بن عطاء . . وهو اول من قال: الحق يعرف من وجوه اربعة: كتاب ناطق وخبر مجتمع عليه وحجة عقل واجماع من الامة"[۲۲]	ابو عثمان جاحظ نے کہا ہے کہ اسلام میں واصل بن عطا کی کتابوں سے پہلے کسی ایسی کتاب کا پتہ نہیں چلتا جو ملاحدہ کے مختلف فرقوں کے رد میں لکھی گئی ہو . . . . . اور سب سے پہلے واصل ہی نے بتایا تھا کہ حق چار طریقوں سے معلوم ہوتا ہے: قرآن کریم، متفق علیہ حدیث، قیاس عقلی اور اجماع امت

واصل کی علمی سرگرمیوں سے متاثر ہو کر بہت سے لوگ معتزلی ہو گئے۔ مگر جس شاگرد سے اس کا سلسلۂ تلمذ چلا، عثمان بن خالد الطویل تھا۔[۲۳] عثمان بن خالد الطویل کا شاگرد ابو الہذیل العلاف تھا، جو "شیخ المعتزلہ" کہلاتا ہے[۲۴]

اسی زمانہ میں یونانی فلسفہ عربی زبان میں منتقل ہونا شروع ہوا، جس سے الحاد و زندقہ کی اشاعت کو بڑی مدد ملی۔ عباسی خلیفہ مہدی (۱۵۸-۱۶۹ھ) نے جہاں زندقہ کے استیصال و بیخ کنی کے لیے ایک خصوصی پولس کا "صاحب الزنادقہ" کے نام سے تقرر کیا، وہیں زنادقہ کی اصلاح کے لیے متکلمین کو بلا کر ان کے رد میں کتابیں لکھوائیں۔[۲۵] زنادقہ کا اعتماد چونکہ فلسفہ پر تھا، اس لیے ان کے موقف سے کماحقہٗ واقفیت پہنچانے کے لیے نیز ان کی تنقید پر قادر ہونے کے لیے متکلمین نے یونانی فلسفہ سے واقفیت بہم پہنچائی ان میں پیش پیش ابو الہذیل العلاف تھا، چنانچہ شہرستانی نے "کتاب الملل والنحل" میں اس کے بارے میں لکھا ہے :

"شيخ المعتزلة ومقدم الطائفة ومقرر الطريقة ."

اسی طرح مرتضیٰ زبیدی نے صاحب المصابیح کے حوالے سے اس کے متعلق لکھا ہے:

كان نسيج وحده وعالم دهره ولم يتقدمه احد من الموافقين له ولا من المخالفين" (باب ذكر المعتزلة ص۲۵)	وہ اپنی جماعت میں منفرد اور اپنے زمانہ کا عالم تھا۔ اس کے موافقین اور مخالفین میں اس جیسا اور کوئی نہیں ہوا تھا

مامون الرشید اس کے بارے میں کہا کرتا تھا :

"اطل ابوالہذیل علی الکلام کاطلال الغمام علی الانام"[9]

ابوالہذیل علم کلام پر اس طرح چھایا ہوا تھا جیسا کہ بادل انسانوں پر چھایا ہوتا ہے۔

ابوالہذیل العلاف کے شاگردوں کی تعداد بھی کثیر تھی۔ ان میں ابو اسحٰق ابراہیم بن سیار النظام بھی تھا جو فلسفہ کا اندیشہ ور فلاسفہ کی طرح ید طولیٰ رکھتا تھا، اور بھی باکمال شاگرد تھے۔ مگر سلسلۂ تلمذ ابو یعقوب الشحام سے چلا۔ چنانچہ مرتضیٰ زیدی نے لکھا ہے:

"ابو یعقوب یوسف بن عبد اللہ بن اسحاق الشحام من اصحاب ابی الہذیل والیہ انتہت ریاسۃ المعتزلۃ فی البصرۃ فی وقتہ۔ ولہ کتب فی الرد علی المخالفین وفی تفسیر القرآن و کان من احذق الناس فی الجدل وعنہ اخذ ابو علی"[10]

ابو یعقوب یوسف بن عبد اللہ بن اسحاق الشحام ابوالہذیل کے شاگردوں میں سے تھا۔ اس کے زمانہ میں بصرہ کے اندر معتزلہ کی ریاست اسی پر ختم ہوتی تھی۔ اس نے اپنے مخالفین کے رد میں نیز قرآن کریم کی تفسیر میں کتابیں تصنیف کی ہیں۔ وہ جدل و مناظرہ کے اندر لوگوں میں سب سے زیادہ تجربہ کار تھا۔ اسی سے ابو علی جبائی نے علم کلام حاصل کیا تھا۔

ابو یعقوب الشحام کا شاگرد، جیسا کہ ابھی مذکور ہوا، ابو علی الجبائی تھا۔ وہ اپنے زمانہ میں اپنے مذہب کا مقتدا بہ سمجھا جاتا تھا۔ چنانچہ ابن خلکان اس کے تذکرے میں لکھتا ہے:

"ابو علی محمد بن عبد الوہاب ... المعروف بالجبائی احد ائمۃ المعتزلۃ۔ کان اماماً فی علم الکلام"[11]

ابو علی محمد بن عبد الوہاب ...... جو الجبائی کے نام سے مشہور تھا معتزلہ کے پیشواؤں میں سے ایک تھا۔ وہ علم کلام کے مقتدیٰ بہ اماموں میں سے تھا۔

ابو علی الجبائی کے شاگرد امام ابو الحسن الاشعری تھے، چنانچہ ابن خلکان آگے چل کر لکھتا ہے:

"وعنہ اخذ الشیخ ابو الحسن الاشعری شیخ السنۃ علم الکلام"[12]

اسی سے امام ابو الحسن الاشعری نے جو علم کلام میں سنیوں کے مقتدا بہ ہیں، علم کلام حاصل کیا تھا۔

امام اشعری کی تعلیم و تربیت اعتزال ہی کے حلقہ میں ہوئی۔ مگر بعد میں کچھ تو متصادم افکار کے "تکافؤ" سے حیران ہو کر اور کچھ ہدایتِ ربانی سے توفیق یاب ہو کر نصفہ مسلک اختیار کرنے پر مجبور ہوئے اور اعتزال سے تائب ہو کر اس مسلک کا افتتاح کیا جو بعد میں "اشعریت" کے نام سے جمہور کا مسلک بنا۔ اسی لیے وہ عموماً تیسری صدی ہجری کے مجدد سمجھے جاتے ہیں۔

امام ابوالحسن الاشعری کے شاگردوں میں سے دو بزرگ خصوصیت سے مشہور ہیں۔ ان کے نام ابوالحسن الباہلی اور ابن مجاہد الطائی تھے۔ ان دونوں کے شاگرد قاضی ابوبکر باقلانی، امام ابن فورک اور امام ابو اسحاق اسفرائنی تھے۔ اشعری کتب کلام کے ایک اور عظیم المرتبت فاضل امام ابوالقاسم الاسفرائنی تھے جو اسکاف بھی کہلاتے ہیں۔ وہ امام اشعری کے اصحاب میں سے تھے اور امام الحرمین کے استاد۔ چنانچہ ابن عساکر نے ان کے ترجمہ میں لکھا ہے:

"الاستاذ الامام ابو القاسم المتکلم الاسفرائنی الاصم المعروف بالاسکاف... من اصحاب الاشعری... قرأ علیہ امام الحرمین الاصول وتخرج بطریقتہ"[۱۲]

استاد امام ابوالقاسم متکلم اسفرائنی اصم جو اسکاف کے نام سے مشہور ہیں، امام اشعری کے اصحاب میں سے تھے۔ انھیں سے امام حرمین نے اصول پڑھا اور انھیں کے طریقہ پر تخریج کی۔

امام الحرمین کے شاگرد رشید حجۃ الاسلام امام غزالیؒ تھے جن کا عباقرۂ روزگار کے درمیان ایک ممتاز مقام ہے۔ ابن عساکر نے ان کے تذکرے میں لکھا ہے:

"محمد بن محمد ابو حامد الغزالی حجۃ الاسلام... قدم نیشاپور مختلفاً الی درس امام الحرمین... حتی تخرج عن مدۃ قریبۃ... وصار انظر اھل زمانہ"[۱۳]

محمد بن محمد ابو حامد الغزالی حجۃ الاسلام..... نیشاپور تشریف لائے جہاں وہ امام الحرمین کے درس میں جایا کرتے تھے..... یہاں تک کہ انھوں نے تھوڑی ہی مدت میں تخریج کی اور اپنے زمانہ کے سب سے بڑے اہل نظر ہو گئے۔

امام غزالی کے شاگرد معین الدین ابو سعید منصور تھے، اُن کے شاگرد علامہ مجیر الدین محمود بن ابی المبارک تھے اور ان کے شاگرد قاضی ناصر الدین بیضاویؒ کے پدر بزرگوار۔ اُن سے قاضی ناصر الدین بیضاوی نے علم حاصل کیا۔ چنانچہ یافعی نے موخر الذکر کے تذکرے میں لکھا ہے:

"تفقہ بابیہ وتفقہ والدہ بالعلامۃ مجیر الدین بن ابی المبارک البغدادی الشافعی وتفقہ مجیر الدین بالامام معین الدین ابی سعید منصور بن عمر البغدادی وتفقہ ہو بالامام زین الدین حجۃ الاسلام ابی حامد الغزالی"[۱۴]

قاضی بیضاوی نے اپنے پدر بزرگوار سے علم پڑھا اور ان کے والد علامہ مجیر الدین بن ابی المبارک بغدادی شافعی سے، اور مجیر الدین نے امام معین الدین ابی سعید منصور بن عمر بغدادی سے علم حاصل کیا اور انھوں نے امام زین الدین حجۃ الاسلام ابی حامد غزالی سے پڑھا۔

قاضی ناصر الدین بیضاوی کی شخصیت "تفسیر بیضاوی" (جس کا پورا نام "انوار التنزیل واسرار التاویل" ہے) کے مصنف کی حیثیت سے کسی بھی تعارف کی محتاج نہیں ہے۔ "تفسیر بیضاوی" کے علاوہ وہ اصول میں

"منہاج الاصول" کے اور کلام میں "طوالع الانوار" کے مصنف ہیں جو اپنے اپنے فن کی ادبیات عالیہ میں محسوب ہوتی ہیں۔

"طوالع الانوار" کے بارے میں ابن خلدون کی رائے کی طرف اوپر اشارہ کیا جا چکا ہے کہ اس کے نزدیک فلسفہ اور کلام کے جو دو حریف اور متوازی دھارے عرصے سے علیحدہ علیحدہ بہتے چلے آ رہے تھے، ان کا اختلاط وامتزاج پہلی مرتبہ "طوالع الانوار" میں ہوا۔ وہ لکھتا ہے:

"ثم توغل المتاخرون من بعدهم فی مخالطة کتب الفلسفة ... والتبست مسائل الکلام بمسائل الفلسفة بحیث لا یتمیز احد الفنین من الآخر ولا یحصل علیه طالبه من کتبهم کما فعله البیضاوی فی الطوالع۔"[11]

پھر اس کے بعد متاخرین نے کتب فلسفہ کی تخلیط میں بہت زیادتی کی ... اور یہ دونوں طریقے ان متاخرین کے یہاں آ کر خلط ملط ہو گئے، اور علم کلام کے مسائل فلسفہ کے مسائل کے ساتھ اس طرح مل گئے کہ ایک فن دوسرے فن سے ممتاز و ممیز نہ رہا اور ان کی کتابوں سے ان کا مطالعہ کرنے والا اسے حاصل نہ کر سکتا تھا جیسا کہ قاضی ناصر الدین بیضاوی نے "طوالع الانوار" میں کیا ہے۔

لیکن یہ رائے محل نظر ہے، کیونکہ قاضی بیضاویؒ کا فلسفہ کا مطالعہ بالواسطہ تھا، فلاسفہ کے مواقف اور ان کے استدلال تک ان کی رسائی متکلمین اور ان کی کلامی تصانیف ہی کے ذریعہ ہوئی تھی۔ واقعہ یہ ہے کہ کلام اور فلسفہ کا اختلاط وامتزاج پہلی مرتبہ محقق طوسی کے یہاں اور دوسری مرتبہ میر سید شریف کے یہاں ہوا تھا، جن کا سلسلۂ تلمذ کلام کے اندر قاضی عضد الدین ایجیؒ کے توسط سے امام ابو الحسن الاشعری اور واصل بن عطا تک اور فلسفہ کے اندر محقق طوسی کے توسط سے شیخ بوعلی سینا اور ارسطو و افلاطون تک پہنچتا ہے۔ اس اختلاط وامتزاج نے اپنی آخری شکل محقق دوانی کے یہاں اختیار کی۔ مزید تفصیل آگے آ رہی ہے۔

بہرحال قاضی ناصر الدین بیضاوی کے شاگرد شیخ زین الدین الھنکی تھے اور موخر الذکر کے شاگرد رشید قاضی عضد الدین الایجی تھے، چنانچہ ابن حجر عسقلانی نے قاضی عضد کے تذکرے میں لکھا ہے:

"واخذ عن مشائخ عصره ولازم الشیخ زین الدین الھنکی تلمیذ البیضاوی۔"[12]

اور انھوں نے (قاضی عضد نے) اپنے زمانہ کے مشائخ سے علم حاصل کیا اور شیخ زین الدین الھنکی کے ہمراہ عرصہ تک رہے جو قاضی ناصر الدین بیضاوی کے شاگرد تھے۔

"قاضی عضد الدین الایجی" المواقف فی الکلام" کے مصنف تھے جو علم کلام کی منتخب روزگار دیبایت حالیہ میں محسوب ہوتی ہے اور جس کی شرح "شرح المواقف" از میر سید شریف آج بھی علم کلام میں حرف آخر سمجھی جاتی ہے۔ قاضی عضد کی عظمت وجلالت قدر کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ خواجہ حافظ نے انھیں سلطان ابو اسحاق انجو والی شیراز کے دربار کے پانچ رتنوں میں شمار کیا ہے اور ان کی "المواقف" کو حکمت ودانائی کا ایک یادگار شاہکار بتایا ہے۔ فرماتے ہیں:

دگر شہنشۂ دانش عضد کہ در تصنیف بنائے کار "مواقف" بنام شاہ نہاد

قاضی عضد کی جلالت قدر کا اندازہ اس بات سے بھی ہو سکتا ہے کہ ہر چند محمد تغلق (۷۲۵-۷۵۲ھ) کے دربار میں مختلف علوم کے باکمال موجود تھے، مگر اس نے انھیں ہندوستان لانے کے لیے مولانا معین الدین عمرانی کو شیراز بھیجا چنانچہ شیخ عبد الحق محدث نے ان کے تذکرے میں لکھا ہے:

"چنیں گویند کہ سلطان محمد تغلق کہ قاضی عضد را بدیار ہندوستان طلبیدہ وتوشیح متن مواقف بنام تو، التماس نمودہ ہم مولانائے مذکور، (مولانا معین الدین عمرانی) را فرستادہ بود۔ آثار فضل ودانش از وے (مولانا عمرانی) در انجا بظہور آمدہ"

(اخبار الاخیار، ص ۱۴۱)

خود "المواقف" کے دیباچے سے معلوم ہوتا ہے کہ محمد تغلق اسے اپنے نام پر معنون کرانا چاہتا تھا، چنانچہ قاضی عضد نے دیباچہ میں اس کی طرف اشارہ کیا ہے:

"بکتاب المواقف ... ابکار الجنان ...... و کنت برھۃ من الزمان أجیل رأیی وارد د فکری ... مع تعدد خاطبیھا وکثرۃ الراغبین فیھا۔"	کتاب المواقف دوشیزگان جنت میں سے ایک دوشیزہ ہے ...... میں ایک عرصہ تک اسی فکر میں سرگرداں رہا کہ اسے کس کے نام معنون کروں، حالانکہ اس کے طلب گار بہت تھے۔

اور "المواقف" کے فاضل شارح میر سید شریف نے اس "خاطبیھا" کی شرح میں تصریح کی ہے:

ومن جملۃ خاطبیھا سلطان الھند محمد شاہ جونہ۔"	اور ان لوگوں میں سے جو "المواقف" کو اپنے نام پر معنون کرانے کے خواہش مند تھے، بادشاہ ہندوستان محمد شاہ جونا بھی تھا۔

ان کی اسی عظمت وجلالت قدر کی بنا پر بعد کے مورخین نے انھیں ساتویں صدی ہجری کا مجدد قرار دیا ہے چنانچہ

حمد اللہ مستوفی نے لکھا ہے:

" قاضی مولانا عضد الدین شبانکارہ استاد زماں بود و در جمیع علوم یگانہ کمال - از رسول علیہ السلام مروی است کہ در دین اسلام بر سر ہر صد سال عالمے خیزد کہ وجود او سبب رواج کار دین اسلام باشد و ایں جہان را استاد و راہ نما باشد ..... و در صدۂ ہفتم و ذالک وجود مبارک مولانا عضد الدین بود۔"[۱۸]

اُن کے علم و فضل کے بارے میں ابن حجر عسقلانی نے لکھا ہے:

" کان اماماً فی المعقول قائماً بالاصول والمعانی والعربیۃ مشارکاً فی الفنون۔"[۱۹]

علوم عقلیہ میں امام وقت تھے۔ اصول، معانی اور عربیت میں ید طولیٰ رکھتے تھے۔ دیگر فنون میں بھی مہارت تامہ حاصل تھی۔

اسی طرح صاحب "حبیب السیر" نے لکھا ہے:

" آنجناب سرآمد فضلائے محققین و افضل علمائے مدققین بود۔"[۲۰]

اسی باکمال عبقری وقت اور مجدد مائۃ سابعہ کے شاگرد مولانا قطب الدین رازی تھے، چنانچہ ابن عماد حنبلی نے موخر الذکر کے بارے میں لکھا ہے:

" شارك فی العلوم الشرعیۃ واخذ عن العضد وغیرہ۔"[۲۱]

علوم شرعیہ میں بھی حظ وافر رکھتے ہیں۔ انھوں نے قاضی عضد وغیرہ سے پڑھا تھا۔

قطب الدین رازی کے شاگرد شمس الدین محمد بن مبارک شاہ تھے، چنانچہ امام الدین ریاضی نے "باغستان" میں لکھا ہے:

" عامر المحققین ظاہر القلبین محور فلک الحکمۃ والدین المولیٰ قطب رازی یکے از اعیان مذکور و اعلام مشہور است ...

..... جمعے از مردم پیش او خواندہ اند - از انجملہ شمس الدین محمد بن مبارک شاہ"[۲۲]

اس طرح قاضی عضد کا علمی ورثہ قطب رازی کے ذریعہ شمس الدین محمد بن مبارک شاہ تک اور ان کے ذریعہ میر سید شریف تک پہنچا۔ مگر محمد بن مبارک شاہ نے "المواقف" بھی براہ راست قاضی عضد ہی سے پڑھی تھی۔ چنانچہ سخاوی نے "الضوء اللامع" میں میر سید شریف کے ترجمہ میں لکھا ہے:

" ان من شیوخہ بالقاہرۃ العلامۃ مبارکشاہ - قرأ علیہ المواقف للعضد۔"[۲۳]

قاہرہ میں ان کے اساتذہ کے اندر علامہ شمس الدین محمد بن مبارک شاہ بھی تھے۔ میر سید شریف نے ان سے "المواقف" پڑھی تھی جو ابن مبارک شاہ کے استاد قاضی عضد کی تصنیف ہے۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شمس الدین ابن مبارک شاہ نے قطب رازی کے علاوہ براہ راست قاضی عضد سے بھی پڑھا تھا اور خصوصیت سے "المواقف فی الکلام" کو اس طور پر صدیوں کی کلامی روایات اور علم کلام کے نکات و دقائق کا ورثہ میر سید شریف تک پہنچا۔

۲۔ فلسفہ

مسلمانوں میں فلسفہ کا داخلہ دوسری صدی ہجری سے شروع ہوا اور جلد ہی اس نے علمی حلقوں میں اپنے عقیدتمند پیدا کر لیے۔ لیکن ارسطا طالیسی مدرسہ فلسفہ کا باضابطہ داخلہ تیسری صدی ہجری کے آخر میں ہوا۔ اس کی تفصیل حسب ذیل ہے:

یونانی فلسفہ کا بانی تالیس الملطی (Thales of Miletus) کو بتایا جاتا ہے۔ مگر پہلا شخص جو فلسفی (محب حکمہ) کے نام سے موسوم ہوا، فیثا غورث تھا۔ فیثا غورث کے متعلق یورپی مورخین فلسفہ کا کہنا ہے کہ اس نے اورفی (Orpheus) "مسربات" کی خوشہ چینی نیز "مغوں" (قدیم مجوسی حکما) سے استفادہ کیا تھا مگر قدیم یہودی مورخین کا اور ان کی تقلید میں سریانی مسیحیوں اور مسلمان تذکرہ نگاروں کا کہنا ہے کہ اس نے حضرت سلیمان علیہ السلام کے اصحاب سے اکتساب علم و معرفت کیا تھا۔[۲۴]

فیثا غورث کے پیرووں سے افلاطون آخر عمر میں متاثر ہوا۔ فیثا غورث کے نزدیک مبدا اولین کائنات "عدد" تھا۔ افلاطون نے "عدد" کے بجائے "کلیات" یا "امثال" کو مبدء کائنات قرار دیا اور اس طرح ایک مستقل مدرسہ فکر کی بنیاد ڈالی۔

افلاطون کا شاگرد رشید ارسطو تھا جس نے استاد کے حریف کی حیثیت سے لائیثیم میں ایک اور مدرسہ کا افتتاح کیا اس کے بعد اس مدرسہ کا صدر اس کا بھانجا تاؤفرسطس (Theophrastus) تھا بعد میں اس کے شاگردوں کی ایک جماعت اسکندریہ پہنچی جب کہ وہاں کے اسکندر کے بطلیموسی جانشینوں نے ایک مستقل سلطنت قائم کر لی۔ اس طرح اسکندریہ کا مدرسہ فلسفہ قائم ہوا جس کے اندر ارسطا طالیسی فلسفہ کی روایات ایک طبقہ سے دوسرے طبقہ میں منتقل ہوتی رہیں۔ سن مسیحی کی ابتدا کے قریب اس مدرسہ کا صدر اندرونیقوس (Andronicus) تھا جس نے قیصر آگسٹس کے ایما سے ارسطو کی کتابوں کا باضابطہ ایڈیشن مرتب کیا تھا۔

یہ مدرسہ رومی شاہنشاہوں کے زمانہ میں بھی پوری آب و تاب سے چلتا رہا۔ مگر جب چوتھی صدی مسیحی میں قیصر قسطنطین اعظم نے مسیحی مذہب اختیار کیا تو پھر مسیحی تعصب نے وثنیت کے ساتھ فلسفہ کو بھی اپنی تنگ نظری کا

فنکار بنایا۔ بایں ہمہ کسی نہ کسی طرح اس مدرسہ کی سرگرمیاں جاری رہیں، تا آنکہ ۲۰ھ میں مسلمانوں نے اسکندریہ کو فتح کر لیا۔ اسلامی عہد میں بھی یہ مدرسہ جاری رہا۔ مگر پہلی صدی کے سرے پر حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے عہد خلافت میں یہ مدرسہ اسکندریہ سے انطاکیہ میں منتقل ہو گیا۔ لیکن یہاں بھی اس کی کس مپرسی ختم نہ ہوئی، یہاں تک کہ اس مدرسہ میں ایک استاد باقی رہ گیا۔ اس سے دو شخصوں نے پڑھا۔ مگر انجام کار یہ لوگ کتب خانہ سمیت یہاں سے بھی نکل کھڑے ہوئے۔ ان شاگردوں میں سے ایک حرّان کا باشندہ تھا اور دوسرا مرو کا۔ یہ دونوں حرّان پہنچے مرو کے باشندے سے دو شاگردوں نے پڑھا۔ ان میں سے ایک کا نام ابراہیم مروزی تھا، اور دوسرے کا یوحنا بن حیلان۔ یوحنا بن حیلان کا شاگرد رشید ابو نصر فارابی تھا جو مقتدر باللہ عباسی کے زمانہ میں بغداد پہنچا۔[25]

فارابی کا شاگرد رشید زکریا بن عدی تھا اور اس کا شاگرد ابو سلیمان سجستانی، جس کا مکان اس عہد کے تفلسف پسند فضلاء کے جمع ہونے کا مقام تھا۔ اس کا تعلق "اخوان الصفا" سے بھی بتایا جاتا ہے اور "اخوان الصفا" ہی کے معتقدین کا ایک فرد ابو عبداللہ الناتلی تھا جو فلسفہ و حکمت میں شیخ بوعلی سینا کا استاد ہے۔

یوں بھی شیخ بوعلی سینا فارابی کا خوشہ چین اور معنوی شاگرد تھا، چنانچہ بیہقی نے "تتمہ صوان الحکمہ" میں لکھا ہے:

"وکان ابو علی تلمیذاً لتصانیفہ۔"[26]

اور شیخ بوعلی سینا ابو نصر فارابی کی تصانیف کا شاگرد تھا۔

شیخ بجا طور پر ملک الحکما و الفلاسفہ (Prince of philosophers) کہلانے کا مستحق ہے، جیسا کہ بیکن نے اسے نام دیا تھا۔ اس کے متعدد شاگردوں میں سب سے بلند مقام بہمن یار کا تھا، اور بہمن یار کا شاگرد ابو العباس اللوکری تھا، جس کے نفس گرم کی تاثیر سے خراسان میں فلسفہ و حکمت کی نشر و اشاعت ہوئی۔ چنانچہ بیہقی لکھتا ہے:

"الادیب الفیلسوف ابو العباس اللوکری کان تلمیذ بھمن یار و بھمن یار تلمیذ ابی علی و من الادیب ابی العباس انتشرت علوم الحکمۃ بخراسان وکان عالماً باجزاء علوم الحکمۃ دقیقھا وجلیلھا۔"[27]

فلسفی ادیب ابو العباس لوکری بہمن یار کا شاگرد تھا اور بہمن یار شیخ بوعلی سینا کا شاگرد تھا۔ اور ادیب ابو العباس ہی سے علوم حکمیہ کی خراسان میں نشر و اشاعت ہوئی اور وہ علوم حکمیہ کی تمام شاخوں میں دقیق ہوں یا جلیل ہوں ماہر تھا۔

ابوالعباس لوکری کے شاگرد افضل الدین غیلانی تھے، اُن کے شاگرد صدرالدین سرخسی اور موخرالذکر کے شاگرد فریدالدین داماد تھے۔ فریدالدین داماد سے محقق طوسی نے فلسفہ و حکمت کی تعلیم حاصل کی تھی، چنانچہ قاضی نوراللہ شوستری نے لکھا ہے:

"در معارف عقلیہ تلمیذ فریدالدین داماد است و او شاگرد سید صدرالدین سرخسی و او شاگرد افضل الدین غیلانی و او شاگرد ابوالعباس لوکری و او شاگرد بہمن یار شاگرد شیخ الرئیس ابی علی سینا" (مجالس المومنین ص ٣٢٩)

محقق طوسی بجا طور پر عباقرۂ اسلام میں محسوب ہونے کے مستحق ہیں۔ ان کے فلسفیانہ تبحر اور جلالت قدر کے بارے میں قاضی نوراللہ لکھتے ہیں:

"سلطان الحکماء والمتکلمین، الحکیم النحریر، نصیر الملۃ والدین محمد بن محمد الطوسی طیب اللہ مشہدہ، حکیمے کہ رائے قویم او صورت شریعت را بمثابہ ہیولی است . . . فیلسوفے کہ روان افلاطون و ارسطو بوجود او مفاخرت و مباہات جوید و زبان حال ابو علی سینا شکر مساعی جمیلہ او گوید . . . . معالم تحقیقات ابو علی را از بتصادم شبہات ابوالبرکات یہودی و تشکیکات فخرالدین رازی نزدیک بانداس رسیدہ بود، از غایت علو حکمت و کمال ادراک استدراک نمود، و وہن ایرادات ایشاں را . . . . ظاہر نمود" (مجالس المومنین ص ٣٢٩)

محقق طوسی کے یہاں آکر پہلی مرتبہ اسلامی فکر کے چاروں دھارے یعنی کلام، تصوف، فلسفہ مشائیت اور اشراق آپس میں مل گئے۔ ان کی "تجرید فی الکلام" نہ صرف شیعی علم کلام کا بلکہ اسلامی فلسفہ کا شاہکار سمجھی جاتی ہے اور اسی حیثیت سے زمانۂ مابعد میں اس کے ساتھ اعتنا کیا گیا۔

محقق طوسی کے شاگرد رشید علامہ قطب الدین شیرازی تھے، چنانچہ امام الدین ریاضی نے "تذکرۂ باغستان" میں لکھا ہے:

"شمس فلک المحققین نیر کوکب المدققین العلامہ قطب الدین محمد بن مسعود تجاوز اللہ عنہ بلطفہ القدوسی علامہ عجم است و در حکمت شاگرد خواجہ نصیرالدین طوسی است" (باغستان ورق ٢٠٢ ب)

اسی طرح سبکی نے لکھا ہے:

"محمد بن مسعود بن مصلح الفارسی الامام قطب الدین الشیرازی صاحب التصانیف . . . تخرج علی النصیر الطوسی و برع فی المعقولات ولازم بالآخرۃ الحدیث"

محمد بن مسعود بن مصلح فارسی امام قطب الدین شیرازی بہت سی کتابوں کے مصنف ہیں . . . . نصیرالدین طوسی سے پڑھا اور معقولات میں ید طولیٰ حاصل کیا۔ آخر میں علم حدیث کے ساتھ شغف ہوگیا۔

اسی طرح ابن حجر عسقلانی نے لکھا ہے:

"محمد بن مسعود بن مصلح الفارسی قطب الشیرازی.... سافر الی النصیر فقرأ علیہ الھیئۃ و بحث علیہ الاشارات و برع"[29]

محمد بن مسعود بن مصلح فارسی قطب الدین شیرازی...... سفر کر کے محقق طوسی کے پاس پہنچے پس ان سے ہیئت پڑھی اور "اشارات" کی بحث کی اور کمال حاصل کیا۔

قطب الدین شیرازی کے شاگرد قطب الدین رازی تھے، چنانچہ امام الدین ریاضی نے لکھا ہے:

"ماہر الخافقین، ظاہر القطبین، محور فلک الحکمۃ والدین المولیٰ قطب الدین الرازی یکے از اعیان مذکور و اعلام مشہور است۔ ہم از علمائے کبار اخذ نمودہ۔ از انجملہ است مولانا قطب الدین علامہ شیرازی" (ریاضی الشعراء/فستان ورق ۳۰۲، ب ۴۰، ۲۷۴ و)

ان کے تبحر فی المعقولات کے بارے میں سبکی نے لکھا ہے:

"محمد بن محمد الرازی الشیخ العلامۃ قطب الدین المعروف بالتحتانی امام مبرز فی المعقولات.... فوجدناہ اماماً فی المنطق والحکمۃ"[30]

محمد بن محمد الرازی شیخ و علامہ قطب الدین المعروف تحتانی، معقولات میں صاحب کمال امام و پیشوا تھے...... ہم نے انھیں منطق و فلسفہ میں ماہر فن امام پایا۔

قطب الدین رازی کے تلمیذ رشید شمس الدین مبارک شاہ منطقی تھے، چنانچہ امام الدین ریاضی نے لکھا ہے:

"المولیٰ قطب الدین الرازی..... جمعے از اعلام پیش او خواندہ اند۔ از انجملہ شمس الدین محمد بن مبارک شاہ"[31]

اسی طرح طاش کبریٰ زادہ نے لکھا ہے کہ شمس الدین بن مبارک شاہ کو قطب الدین رازی نے بچپن سے پرورش کیا تھا اور خصوصیت سے تعلیم دی تھی:

"کان ھو غلام الشارح رباہ وھو صغیر فی حجرہ وعلمہ جمیع ما علمہ"[32]

شمس الدین محمد بن مبارک شاہ شارح مطالع الانوار مولانا قطب الدین رازی کے متبنیٰ تھے۔ انھوں نے اس کو بچپن سے پالا تھا اور سب کچھ سکھایا تھا۔

اور انھیں شمس الدین محمد بن مبارک شاہ سے میر سید شریف نے پڑھا تھا، چنانچہ امام الدین ریاضی نے لکھا ہے:

"العالم العامل والعلم المنیف السید السند الشریف میر سید شریف شاگرد شمس الدین محمد بن مبارک شاہ است"[33]

مزید تفصیل آگے آئے گی۔

اس طرح فلسفہ و کلام کا صدیوں کا ورثہ شمس الدین محمد بن مبارک شاہ کے ذریعہ میر سید شریف تک پہنچا۔

ب۔ میر سید شریف کے جانشین

کلام اور فلسفہ کے دھاروں کا اتصال پہلی مرتبہ محقق طوسی کے یہاں ہوا تھا اور زیادہ لطیف طور پر میر سید شریف کے یہاں ہوا۔ اب ان میں نام کی بے گانگت کے سوا کوئی واقعی مغائرت نہیں رہی اس لیے میر سید شریف کے جانشینوں کا تذکرہ فلسفہ اور کلام کے الگ الگ عنوانوں کے تحت غیر ضروری ہے۔

میر سید شریف کے شاگردوں کی تعداد بہت کثیر ہے جن کی تفصیل آگے آئے گی۔ ان میں تین خاص طور پر قابل ذکر ہیں: محی الدین کوشکناری، خواجہ حسن شاہ بقال اور مولانا ثناء الدین ملتانی۔ ان بزرگوں کی اہمیت اس بنا پر ہے کہ انھیں کے ذریعہ میر سید شریف کا فیض ہندوستان میں پہنچا، پہلے موخر الذکر (مولانا ثناء الدین) کے بعد دیگر مقدم الذکر علما کے ذریعے۔

۔ میر سید شریف کے ہندوستانی تلامذہ

میر سید شریف سے بے شمار طالب علموں نے کسب فیض کیا۔ ہندوستان سے جو علما ان سے پڑھنے گئے ان میں مولانا ثناء الدین ملتانی خاص طور سے مشہور ہیں۔ اپنے وطن مالوف میں تکمیل علوم کرنے کے بعد وہ شیراز تشریف لے گئے۔ جہاں کئی سال تک میر سید شریف کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیا۔ بعد میں وطن واپس آکر معقولات کی تعلیم کو خصوصیت سے رواج دیا۔ ان کے شاگردوں میں دو با کمال مشہور ہیں: شیخ سماء الدین ملتانی اور مولانا فتح اللہ ملتانی۔

مولانا سماء الدین کے بارے میں شیخ عبدالحق محدث دہلوی لکھتے ہیں:

"گویند کہ شیخ مولانا ثناء الدین کہ از شاگردان میر سید شریف جرجانی بود تلمذ کردہ۔"[۵۵]

شیخ سماء الدین بعد میں مختلف شہروں میں ہوتے ہوئے دہلی چلے آئے جہاں ۹۰۱ھ میں انتقال فرمایا۔ ان کے تبحر علمی کے بارے میں شیخ محدث نے لکھا ہے:

"جامع بود میان علمی رسمی و تحقیقی۔"[۵۶]

تصانیف میں "لمعات عراقی" کی شرح کے علاوہ "مفتاح الاسرار" ہے جسے انھوں نے شیخ عزیزان نسفی کے رسائل سے استفادہ کے بعد مرتب فرمایا تھا۔

شیخ سماء الدین کی اولاد میں میاں جمال خاں مفتی اور میاں لاڈن بہت زیادہ مشہور ہوئے۔ میاں جمال خاں نے پہلے اپنے بزرگوار شیخ نصیر الدین سے اور پھر مولانا عبداللہ تلبنی سے فیض حاصل کیا۔ ان کے تبحر علمی کے بارے میں بدایونی نے لکھا ہے:

"اعلم العلمائے زمان خود بود و در علوم عقلیہ و نقلیہ خصوصاً فقہ و کلام و عربیت و تفسیر بے نظیر بود۔"[۳۶]

سارا وقت درس و تدریس میں صرف کرتے تھے۔ فیض و برکت کا یہ عالم تھا کہ اکثر شاگرد دانشمند متبحر بن کر دنیا میں چمکے۔ قاضی عضد کی "شرح مختصر الاصول" کو جو "عضدی" کے نام سے مشہور ہے چالیس مرتبہ از اول تا آخر پڑھایا۔ نیز میر سید شریف اور علامہ سعد الدین تفتازانی نے "مفتاح العلوم" کی شروح میں جو ایک دوسرے پر ایرادات وارد کیے تھے، ان پر محاکمہ بھی کیا تھا۔

شیخ سماء الدین کی اولاد میں عرصہ تک علم و حکمت کا چرچا رہا۔

مولانا سماء الدین کے دوسرے شاگرد مولانا فتح اللہ ملتانی تھے۔ ان کے تلمذ کے بارے میں شیخ جمالی نے "سیر العارفین" میں خود انھیں سے نقل کیا ہے:

"مولانا در تحصیل علم اندختم پیش حضرت سلطان العلما مولانا سماء الدین قدس سرہ کرد چند سال و رنیز از پیش خدمت سید شریف تحصیل علم نمودہ بود۔"

اکثر علمائے ملتان نے ان کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیا تھا، چنانچہ شیخ جمالی نے دوسری جگہ لکھا ہے:

"مولانا فتح اللہ دانشمند کہ استاد شہر ملتان بود و دانشمندان جائے را سبق می فرمودند چنانچہ مولانا ابراہیم نبیسہ پسری او و مولانا امام الدین کہ مذکور شدند، شاگرد او بودند۔"

لیکن سب سے زیادہ مشہور مولانا عزیز اللہ ملتانی تھے، کیونکہ جب حسین لنگاہ کے دربار میں مظفر شاہ گجراتی کے سفیر نے اپنے ملک کی دولت و ثروت کا ذکر کیا تو وزیر عماد الملک نے ملک کی دولت انھیں دونوں استاد اور شاگرد کو بتایا۔

"اما مملکت ملتان مردم خیز است، چہ بزرگان ملتان ہر جا کہ رفتند معزز و محترم گشتند و الحمد للہ و المنہ کہ .... از طبقہ علما مثل مولانا فتح اللہ و شاگرد او مولانا عزیز اللہ کہ از خاک پاک ملتان مخلوق شدند کہ اکثر ہندوستان بوجود ایں عزیزان افتخار کنند۔"[۳۷]

مولانا عزیز اللہ کی مقبولیت کا یہ عالم تھا کہ جام بایزید ان کے ہاتھ کی دھوون کو تبرک کے لیے محل میں چھڑکوا تا تھا۔ لیکن بعد میں وہ ہندوستان چلے آئے۔ ان کے ہمراہ اسی علاقہ کے ایک اور بزرگ فاضل شیخ عبد اللہ تلنبی بھی تشریف لائے اور دونوں کی تشریف آوری سے اس دیار میں علوم معقولات کی بڑی گرم بازاری ہوئی جیسا کہ بدایونی نے لکھا ہے:

"واز علمائے کبار در زمان سلطان سکندر شیخ عبداللہ طلبنی در دہلی و شیخ عزیز اللہ در سنبھل بودند۔ و این ہر دو عزیز ہنگام خرابی ملتان بہندوستان آمدہ علم معقول را دران دیار رواج دادہ و قبل از ان بغیر از شرح شمسیہ و شرح صحائف از علم منطق و کلام در ہند شائع نبودہ۔"[38]

شیخ عزیز اللہ کے علم و فضل کے بارے میں بدایونی نے لکھا ہے:

"آنجناں طبعے فیاضے و استحضارے غریب داشتہ کہ متعلم متفطن ہر طور کہ بے مشکل متنہیانہ را کہ می خواہد بہ ملاء درس می گفتند و بارہا بامتحان پیش آمدہ اسولہ لاید فع ... و ماندہ و شیخ مشار الیہ در وقت افادہ معاً حل را نخستہ۔"[39]

شیخ عزیز اللہ کے ارشد تلامذہ میں میاں حاتم سنبھلی خصوصیت سے مشہور ہیں۔ بدایونی نے اپنی تاریخ میں عہد اکبری کے علما کا تذکرہ انھیں کے ذکر سے شروع کیا ہے:

"ازان جملہ استاذ الاساتذہ میاں حاتم سنبھلی شاگرد میاں عزیز اللہ طلبنی است۔ و دریں قرن مثل او من حیث الجامعیہ عالمے جامع المعقول والمنقول نگذشتہ خصوصاً در کلام و اصول و فقہ و عربیت۔"[40]

دوسری جگہ لکھا ہے کہ وہ فقہ میں اپنے وقت کے ابو حنیفہ تھے:

"در فقہ امام اعظم ثانی بود۔"

اُن کی کثرت درس و تدریس کے بارے میں یہ بھی مشہور تھا کہ انھوں نے "شرح مفتاح العلوم" اور "مطول تفتازانی" کو چالیس مرتبہ سے زیادہ از اول تا آخر پڑھایا ہے۔ اسی زمانہ میں ملا علاء الدین لاری نے جو عہد ہمایونی کا ایک زبردست منطقی و معقولی تھا، "شرح عقائد نسفی" پر حاشیہ لکھ کر بڑے طمطراق کے ساتھ حاتم سنبھلی کے تبصرے کے لیے پیش کیا مگر انھوں نے اس پر ایسے دقیق اعتراضات وارد کیے کہ ملا علاء الدین سے جواب بن نہ پڑ سکا۔[41]

بدایونی نے لکھا ہے کہ انھوں نے میاں حاتم سنبھلی سے ان کی آخر عمر میں "کنز الدقائق" کے چند اسباق تبرکاً و تیمناً پڑھے تھے۔

۲۔ میر سید شریف کے ایرانی تلامذہ

میر سید شریف کے ایرانی تلامذہ میں مولانا محی الدین کوشکناری اور خواجہ حسن شاہ بقال اس حیثیت سے مشہور ہیں کہ وہ محقق دوانی کے استاد تھے (جن سے بعد میں ہندوستان کے اندر معقولات کے سلسلے چلے) چنانچہ صاحب "حبیب السیر" نے موخر الذکر کے تذکرے میں لکھا ہے:

"مولانا جلال الدین محمد الدوانی .... بشیراز شتافتہ و در درس مولانا محی الدین کوشکناری و خواجہ حسن شاہ بقالی ہمت بر کسب کمال گماشت۔ و این دو بزرگ از تلامذہ محقق شریف بوفور علم و فضیلت ممتاز بودند۔"[۴۱]

ان دونوں بزرگوں سے محقق دوانی نے کسب کمال کیا۔ ان کی جلالت قدر کے بارے میں حسن روملو نے "احسن التواریخ" میں لکھا ہے:

"مولانائے اعظم افتخار اعاظم الفضلاء بین الانام اقدم حافظ فنون الحکم قدوۃ العلماء الافہم افہم البلغاء المتبحرین مولانا جلال الدین محمد دوانی۔"[۴۲]

اسی طرح صاحب "حبیب السیر" نے ان کے تبحر علمی کے بارے میں لکھا ہے:

"مولانا جلال الدین محمد الدوانی از غایت تبحر در علوم معقول و منقول و از کمال مہارت در مباحث فروع و اصول بر جمیع فضلائے عالم و تمامی علماء بنی آدم فائق بود و در میدان تحقیق مسائل و انحلال معضلات رسائل و توضیح خفیات متقدمین و تلویح جلیات متاخرین قصب السبق از امثال و اقران می ربود۔ فنون مکنون کہ از ابوعلی و علامہ طوسی در سر خفا محجوب بود، در نظر بصیرتش جلوۂ ظہور داشت و اسرار مخزون کہ از معلم اول و ثانی مکتوم ماندہ بود قلم عنایت بجانی بر صحیفۂ ضمیرش نگاشت۔"[۴۳]

اُن کے علم و فضل کا چرچا سن کر اقطار عالم سے طلبۂ علم استفادہ و استفاضہ کے لیے کھنچے چلے آتے تھے۔ مورخ مذکور آگے چل کر لکھتا ہے:

"القصہ بواسطہ قابلیت اصلی بلکہ محض عنایت لم یزلی ہنوز جمال مولوی در سن شباب بود کہ از شمیم فضائل و کمالاتش مشام مستشفقان گلزار علوم معطر گشت .... اعاظم افاضل بامید کسب علم و دانش متوجہ ملازمتش بودند۔ و لہذا زادراک آں سعادت عظمیٰ از شعشعۂ ضمیر فیض آثارش اقتباس انوار کمالات می نمودند۔"[۴۴]

ان تلامذۂ عالی مرتبت میں سے اکثر ہندوستان بھی تشریف لائے اور آج جو یہاں علم و فضل کی بالخصوص علوم معقولات کی گرم بازاری ہے، انھیں فضلائے کرام کے نفس گرم کی تاثیر کا نتیجہ ہے۔ ان شاگردان نحریر میں سے سب سے زیادہ فیض خواجہ جمال الدین محمود کے ذریعہ ہندوستان میں پھیلا۔ اُن کے شاگردوں میں دو بزرگ خصوصیت سے قابل ذکر ہیں: مرزا جان شیرازی جن سے دیوبند اور علی گڑھ کے علمی سلسلے چلے اور امیر فتح اللہ شیرازی جن تک فرنگی محل اور خیرآباد کے علما کا سلسلۂ تلمذ پہنچتا ہے۔

اول الذکر کے بارے میں شاہ ولی اللہ دہلوی نے محقق دوانی سے اپنے تلمذ کے سلسلہ کی صراحت بدیں طور کی ہے:

اما بعد فقیر ولی اللہ ابن عبدالرحیم فن دانش مندی از والد خود کسب نمودہ وایشاں از میر زاہد بن قاضی اسلم ہروی وایشاں از محمد فاضل، وایشاں از مرزا جان و از ملا محمود مشہور یوسف کوسج وایشاں از خواجہ جمال الدین محمود وایشاں از ملا جلال الدین دوانی

شاہ صاحب سے ان کے صاحبزادے شاہ عبدالعزیز نے پڑھا۔ وہ ایک جانب علمائے دیوبند کے اسلاف کے استاد تھے جن سے دیوبند میں معقولات کی تعلیم آئی۔ دوسری جانب ان کے شاگرد مولانا رنگ علی مارہروی تھے۔ ان کے شاگرد مفتی عنایت اللہ کاکوروی اور ان کے شاگرد استاذ العلما مفتی لطف اللہ علی گڑھی تھے۔

اس طرح شاہ ولی اللہؒ کے ذریعہ دیوبند اور علی گڑھ کے معقولات کے سلسلے چلے۔

خواجہ جمال الدین محمود کے دوسرے شاگرد امیر فتح اللہ شیرازی تھے۔ انھوں نے بعد میں مولانا کمال الدین مسعود، مولانا احمد کرد اور غیاث الدین منصور سے بھی استفادہ کیا تھا۔ پہلے ابراہیم عادل شاہ کی طلب پر ایران سے دکن آئے۔ بعد میں اکبر کی خواہش پر شمالی ہند تشریف لائے (سنہ ۹۹۱ھ)۔ ان کی جلالت قدر و تبحر علمی کے بارے میں بدایونی نے لکھا ہے:

"اعلم العلمائے زمان است . . . . جمیع علوم عقلی از حکمت و ہیئات و ہندسہ و نجوم و رمل و حساب و طلسمات و نیرنجات و جر ثقیل نیکو می دانست و دریں فن آں قدر حالت داشت کہ اگر بادشاہ متوجہ می شد رصد می توانست بست۔ و در علوم عربیت و حدیث و تفسیر و کلام نیز نسبت او مساوی است۔ و تصانیف خوب دارد۔"[۲۶]

ابوالفضل تو یہاں تک کہتا ہے کہ اگر دنیا سے فلسفہ و حکمت کی کتابیں ناپید ہو جائیں تب بھی وہ انھیں اپنے حافظہ سے از سر نو لکھ سکتا ہے:

"آں مایۂ شناسائی دارد کہ اگر کہن نامہائے دانش بہ نیستی سر اور شوند، اساس نو بر نہد۔"[۲۷]

اسی طرح نظام الدین ہروی نے "طبقات اکبری" میں لکھا ہے:

"دانش مند متبحر بود و در فنون علم عقلی و نقلی از علمائے خراسان و عراق و ہندوستان امتیاز داشت و در زمان خود در کل عرصہ عالم مثل و قرین خود نداشت۔"[۲۸]

امیر فتح اللہ شیرازی ہی نے علمائے ولایت کی کتب معقولات کو لاکر ہندوستان میں داخل درس کیا اور اس کے بعد سے تو نصاب پر معقولات ہی معقولات چھا گئی۔ چنانچہ آزاد بلگرامی نے لکھا ہے:

"تصانیف علمائے متاخرین ولایت مثل محقق دوانی و میر صدر الدین و میر غیاث الدین منصور و میرزا جان، میر ہندوستان

آورد ۔ در حلقۂ درس انداخت ۔ وہم غیر از حاشیہ محفل میر استفادہ کردند ۔ و ازاں عہد معقولات را رواجے دیگر پیدا شد۔"[۶]

امیر فتح اللہ کے بے شمار شاگردوں میں سے ملا عبدالسلام لاہوری اس حیثیت سے مشہور ہیں کہ ان کے ذریعہ یہ سلسلہ تلمذ آگے بڑھا ۔ ملا عبدالسلام لاہوری کے دو مشہور شاگرد تھے ۔ شیخ محمد افضل جونپوری جو ملا محمود جونپوری صاحب شمس بازغہ کے استاد تھے اور مفتی عبدالسلام دیوی جو ملا نظام سہالوی کے اساتذہ کے استاد تھے۔[۸] ملا نظام الدین سہالوی علمائے فرنگی محل کے سلسلہ کے بانی ہیں (اگرچہ اس کا آغاز تو ان کے پدر بزرگوار ملا قطب الدین شہید ہی سے ہو چکا تھا)۔

فرنگی محل ہی کے سلسلے سے خیرآباد کا سلسلہ چلا کیونکہ ملا نظام الدین سہالوی (بانی درس نظامیہ و علمی خانوادہ فرنگی محل) کے ایک مشہور شاگرد مولانا کمال الدین سہالوی تھے ۔ ان کے شاگرد ملا محمد اعلم سندیلوی تھے ۔ ان کے شاگرد مولانا عبدالواجد کرمانی تھے ۔ ان کے شاگرد مولانا فضل امام خیرآبادی تھے اور ان کے شاگرد مولانا فضل حق خیرآبادی خاتم المتکلمین تھے ۔ موخر الذکر ہی سے ٹونک کے علما میں معقولات کی گرم بازاری ہوئی ۔

اس طرح آج جو ہندوستان میں معقولات کی گرم بازاری ہے یا اس سے پہلے رہی ہے ، وہ سب محقق دوانی کے شاگردوں کے نفس گرم کا نتیجہ ہے اور محقق دوانی میر سید شریف کے علمی ورثے کے امین تھے ۔ غرض فلسفہ و معقولات کا جو دھارا صدیوں سے بہتا چلا آرہا ہے میر سید شریف جرجانی رحمۃ اللہ تعالی اس کے اہم ترین نمائندے تھے اور جس طرح قرنہا قرن کا فلسفہ و کلام کا سرمایہ ان تک پہنچا تھا ، ان کے علمی فیوض صدیوں تک مشرق کو مستفید کرتے رہے ، بلکہ آج بھی ہندوستان کے قدیم عربی مدارس میں جو کچھ معقولات کا چرچا سنائی دیتا ہے یہ انھیں کا فیضان ہے ۔

حواشی :

[۱] "الکلام علم یقتدر معہ علی اثبات العقائد الدینیۃ بایراد الحجج ودفع الشبہ"۔
(علم کلام وہ علم ہے جس کے ذریعہ عقائد دینیہ کے ثابت کرنے پر قدرت حاصل ہوتی ہے ، بایں طور کہ ان کے ثبوت میں حجتیں لائی جائیں اور ان پر جو شبہات وارد ہوتے ہیں ، انھیں دفع کیا جائے] (المواقف : موقف اول ، مرصد اول ، مقصد اول)

[۲] "اول من تکلم فی الاعتزال محمد بن الحنفیۃ" (الاعلاق النفیسہ لابن رستہ ص ۲۰۰) [سب سے پہلا شخص جس نے اعتزال میں کلام کیا ، وہ محمد بن الحنفیہ تھے]

۳ کتاب الملل والنحل للشہرستانی جلد اول ص ۲۲ : " ویقال اخذ واصل عن ابی هاشم عبد الله بن محمد بن الحنفیه " کہا جاتا ہے کہ واصل نے ابی ہاشم عبداللہ بن محمد بن الحنفیہ سے علم کلام حاصل کیا۔

۴ چنانچہ مشہور ہے کہ " المنزلة بین منزلتین " کا قول احداث کرنے کی بنا پر یا تو امام حسن بصری نے " اعتزل عنا " کہہ کر اپنے حلقۂ درس سے نکال باہر کیا یا وہ خود ان سے علیحدہ ہو گیا اور اسی اعتزال (گوشہ نشینی و مجانبت) کی وجہ سے وہ اور بعد میں اس کے متبعین " معتزلہ " کے نام سے بدنام ہوئے۔

۵ کتاب [illegible] للعسکری بحوالہ " مذهب الذرة عند المسلمین " ص ۱۲۴

۶ [illegible] الهذیل حمدان بن ابی الهذیل العلاف شیخ المعتزله ومقدم الطائفه و [illegible] الطریقه ... اخذ الاعتزال عن خالد بن الطویل عن واصل بن عطاء " (ابی الہذیل حمدان بن ابی [illegible] معتزلہ کا پیشوا اور ان کے مذہب کا مقرر کرنے والا تھا۔ اس نے خالد بن طویل سے اور اس نے واصل بن عطا سے اعتزال اخذ کیا)۔ (کتاب الملل والنحل للشہرستانی جلد اول ص ۲۲)

۸ " وکان المہدی اول من امر الجدلیین من اهل البحث من المتکلمین بتصنیف الکتب فی الرد علی الملحدین ممن ذکرنا من الجاحدین وغیرهم واقاموا البراهین علی المعاندین وازالوا شبه الملحدین فاوضحوا الحق للشاکین " (مروج الذهب للمسعودی بحاشیہ کامل لابن الاثیر جلد دہم ص ۱۴۲-۱۴۳) (اور مہدی نے سب سے پہلے طبقۂ متکلمین میں سے مناظروں کو بلا کر ملاحدہ اور دیگر منکرین حق کے رد میں جن کا ہم نے ذکر کیا ہے کتابیں تصنیف کرنے کا حکم دیا اور انھوں نے مخالفین کے مقابلے میں دلائل قائم کیے، ملاحدہ کے شبہات کا ازالہ کیا اور متشککین کے واسطے حق کو واضح کیا۔

۹ باب ذکر المعتزلہ ص ۲۸
۱۰ باب ذکر المعتزلہ ص ۴۰
۱۲ وفیات الاعیان لابن خلکان جلد اول ص ۴۰۰
۱۳ تبیین کذب المفتری لابن عساکر ص ۲۲۵
۱۴ ایضاً ص ۲۹۱
۱۵ مرآۃ الجنان یافعی المجلد الرابع ص ۲۲۰
۱۶ مقدمہ ابن خلدون ص ۳۸۹
۱۷ الدرر الکامنہ المجلد الثانی ص ۳۲۲
۱۸ تاریخ گزیدہ ص ۸۰۸
۱۹ الدرر الکامنہ المجلد الثانی ص ۳۲۲
۲۰ حبیب السیر : جزو اول از جلد سیم ص ۱۲۵
۲۱ شذرات الذهب الجزء السادس ص ۲۰۷
۲۲ تذکرۂ باغستان ورق ۲۷۳ ب - ۲۷۴ الف
۲۳ الضوء اللامع الجزء الخامس ص ۳۲۸
۲۴ اخبار العلماء لابن القفطی ص ۱۷۰
۲۵ اخبار العلماء باخبار الحکماء لابن القفطی ص ۱۸۲

۲۶ؔ تتمہ صوان الحکمہ ص ۱۶۔ شیخ نے ارسطو کی "مابعد الطبیعیات" کو صرف فارابی کی "اغراض مابعد الطبیعہ" ہی کی مدد سے سمجھا۔

۲۷ؔ تتمہ صوان الحکمہ ص ۱۲۰

۲۸ؔ طبقات الشافعیہ المجلد السادس ص ۲۴۲

۲۹ؔ الدرر الکامنہ المجلد الرابع ص ۳۲۹

۳۰ؔ طبقات الشافعیہ المجلد السادس ص ۲۱۰

۳۱ؔ تذکرہ باغستان ورق ۲۷۲ ب ، ۲۷۷ الف

۳۲ؔ الشقائق النعمانیہ برحاشیہ تاریخ ابن خلکان المجلد الاول ص ۱۲۶

۳۳ؔ تذکرہ باغستان ورق ۲۷۴، ۱ الف

۳۴ؔ اخبار الاخیار ص ۲۱۴

۳۵ؔ ایضاً ص ۲۱۱

۳۶ؔ منتخب التواریخ جلد سوم ص ۷۷

۳۷ؔ تاریخ فرشتہ جلد دوم ص ۳۲۷ - ۳۲۸

۳۸ؔ منتخب التواریخ بدایونی جلد اول ص ۳۲۲

۳۹ؔ ایضاً ص ۳۲۴

۴۰ؔ ایضاً جلد سوم ص ۲۶

۴۱ؔ ایضاً ص ۶۲

۴۲ؔ حبیب السیر جز چہارم جلد سوم ص ۱۱۱

۴۳ؔ احسن التواریخ ص ۱۷

۴۴ؔ حبیب السیر جز چہارم جلد سوم ص ۱۱۱

۴۵ؔ ایضاً

۴۶ؔ منتخب التواریخ بدایونی جلد سوم ص ۱۵۴

۴۷ؔ اکبر نامہ ابو الفضل جلد سوم حصہ اول ص ۴۰۱

۴۸ؔ طبقات اکبری ص ۴۸۹

۴۹ؔ ماثر الکرام ص ۲۳۸

۵۰ؔ مفتی عبد السلام دیوی کے شاگرد رشید ملا دانیال چوراسی تھے۔ اور ان کے شاگرد ملا امان اللہ بنارسی۔ موخر الذکر اور ملا قطب الدین شہید سہالوی کے شاگرد ملا نظام الدین تھے۔

چند معاشی مسائل اور اسلام

از سید یعقوب شاہ

اس کتاب کے مصنف مالیات کے بھی ماہر ہیں اور دینی علوم سے بھی شغف رکھتے ہیں۔ اپنی اس تصنیف میں انھوں نے ربٰو، زکوٰۃ اور بیمہ جیسے زندہ اور اہم معاشی مسائل پر اظہار خیال کیا ہے اور کتاب وسنت، تاریخ، عمرانیات اور اقتصادیات کا غائر مطالعہ کرنے کے بعد اپنے نتائج فکر شستہ اور سلیس انداز میں قلم بند کیے ہیں۔

قیمت عام ایڈیشن ۵ روپے عمدہ ایڈیشن ۶٫۵۰ روپے

ملنے کا پتہ: سکریٹری ادارۂ ثقافت اسلامیہ، کلب روڈ، لاہور (مغربی پاکستان)